ڈاکٹر گوہر نوشاہی

سوانح حضرت شاہ دولہؒ: ایک معاصر دستاویز

Hazrat Shah Daula is one of the prominent *sufis* of the sub-continent. Hints about his life history are found in different books but in scattered form. This article presents various aspects of his life based on a document found from rare manuscripts collection of Markaz Tehqeeqat Farsi Iran & Pakistan, Islamabad. The manuscript is written by Chiragh bin Shah Murad - a contemporary of Hazrat Shah Daula.

حضرت شاہ دولا علیہ الرحمۃ جنھیں حضرت شاہ دولا دریائی بھی کہا جاتا ہے، برصغیر کے اکابر اہل اللہ اور صوفیا میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں تو اہل تصوف کے اکثر سوانحی مآخذ اور تذکروں میں ان کے حالات موجود ہیں لیکن اس قدر مختصر اور نامرتب کہ ان کی مدد سے آپ کی زندگی کا کوئی پہلو بھی مکمل طور پر سامنے نہیں آتا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی حیات و تعلیمات کی مکمل چھان بین اور تحقیق آج تک نہیں ہو سکی۔ ان کے اکثر سوانحی مآخذ اس قدر تشنہ اور سطحی تھے کہ ان پر کسی طور بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا اور ہمیشہ اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ کسی ایسے اصلی اور بنیادی مآخذ تک رسائی ہو سکے جس سے تمام مآخذ فیض یاب ہوئے ہیں۔

چند سال پہلے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے نادر و نایاب ذخیرۂ مخطوطات میں چند پراگندہ اوراق دیکھنے کا اتفاق ہوا جن پر "تذکرہ حضرت شاہ دولا گجراتی" اصل مخطوطے سے مختلف خط میں لکھا تھا۔ یہ ۸۴ اوراق تھے جن میں سے بعض مرتب اور بعض بے ترتیب صورت میں تھے۔ جب ان اوراق کا سرسری مطالعہ کیا تو یہ حیرت افزا مسرت حاصل ہوئی کہ یہ مخطوطہ نہ صرف حضرت شاہ دولاؒ کے سوانح حیات کا ہم عصر اور قدیم ترین مآخذ ہے بلکہ ان کے قدیم و جدید سوانح نگاروں کی معلومات کا بنیادی ذریعہ اور مآخذ بھی ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی کے سرپرست کے لطف خاص سے سوانح حضرت شاہ دولا کے اس اہم مآخذ کی عکسی نقل کا مطالعہ شروع کیا جس کے نتائج چند عرائض کی صورت میں پیش خدمت ہیں۔

زیر نظر تصنیف جس کو مصنف نے کوئی مخصوص نام یا عنوان دینے کی بجائے احوال و اقوال و افعال حضرت شاہ دولاؒ پر ایک رسالہ قرار دیا ہے، حضرت شاہ دولا کے ایک قریبی دوست حضرت شاہ مراد قادری مقیم قصبہ سوکن مضافات شہر گجرات کے فرزند چراغ بن شاہ مراد قادری کی تصنیف ہے۔ کتاب کے بارے میں زمانی اور فنی تفصیلات آئندہ سطور میں آئیں گی اس جگہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ چراغ بن شاہ مراد، حضرت شاہ دولا کے تنہا معاصر سوانح نگار ہیں جن کو کئی وسیلوں اور ذرائع سے حضرت شاہ دولا کا قرب حاصل تھا اور شاید یہ تنہا مصنف ہیں جنھیں حضرت شاہ دولا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کی شخصیت تک رسائی کا دوسرے ہر مورخ اور سوانح نگار سے زیادہ موقع نصیب ہوا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اس رسالے کے بڑے حصے کے خود راوی، مآخذ اور استناد ہیں۔

اس سے پہلے کہ زیر نظر کتاب میں درج حضرت شاہ دولا کے سوانح کی تفصیلات بیان کی جائیں اور کتاب کے فنی اور تصنیفی محاسن پر گفتگو کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مصنف کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ ان کے کام کی اہمیت اور وقعت پیش نظر رہے۔

حیاتِ مصنف:

چراغ بن شاہ مراد قادری کی سوانحی تفصیلات کسی مستند حوالے سے دستیاب نہیں ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں انھوں نے کئی جگہ اپنا ذکر کیا ہے لیکن زیادہ تر ایک راوی کے طور پر۔ ان معلومات سے مصنف کے تفصیلی حالات مرتب نہیں کیے جا سکتے۔ اس سلسلے میں ان کے اپنے بارے میں یہ چند اشارے اہم ہو سکتے ہیں:

۱۔ باعثِ تصنیف میں اپنا نام اور ولدیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''محررِ این رسالہ و مولفِ این قبالہ احقر العباد فقیر چراغ بن شاہ مراد قادری، پیش صاحب دلان صوفی مشرب و صافی درونان ارشاد طلب التماس می دارد۔''

۲۔ ایک حکایت میں اپنے والد کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''از زبان قدوۃ الابرار شیخ برخوردار نور اللہ مرقدہٗ یاد دارم کہ می فرمود کہ در ابتدای جوانی چون بشرف بیعت و کلاہ ارادت جناب ارشاد پناہ فیض مواد حضرت شاہ مراد قادری کہ پدر بزرگوار این کمترین مخلوق است مستعد شدم و .....''

۳۔ اپنے بچپن اور زمانۂ طالب علمی کو یاد کرتے ہوئے حضرت شاہ دولا کی خدمت میں حاضری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''این خاکپای درویشان خدا اندیش و گرد راہ سینہ صافان حق اندیش در عمر طفولیت چون روز آدینہ از درس آزادی می یافت، مادر مہربان چند نان و سبزی پختہ، حوالہ می کرد و اجازت می داد کہ بخدمت شیخ رفتہ بگذران و دعای در بارہ خود درخواہ۔''

۴۔ حضرت شاہ دولاؒ کے مرض الموت سے پہلے سوق احمد تشریف لانے پر لکھا ہے:

''و بوقت چاشت در موضع سوق احمد کہ وطن مالوف این داعی است تشریف آوردند ..... این ذروی قربان صاحبدلان مقدار دو گھڑی فیض یاب حضور بود۔''

۵۔ کتاب میں ایک جگہ اپنے استاد مولانا عبدالرحمن جامی کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی کہی ہوئی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تاریخ وفات درج کی ہے۔

ان معلومات کے علاوہ صرف ایک بات مصنف کے والد کے بارے میں اس کتاب کے حوالے سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت شاہ مراد قادری ایک صاحب ارشاد درویش تھے اور ان کے مریدوں کی معقول تعداد تھی۔ چراغ قادری نے زیرِ نظر کتاب میں ان کے ایک مرید شیخ برخوردار کی زبانی ایک واقعہ درج کیا ہے۔ فارسی، اردو اور پنجابی ادب کے محققین اور تاریخ گجرات سے دلچسپی رکھنے والے جن مورخین نے چراغ بن شاہ مراد کے سوانح میں تلاش و جستجو کی ہے ان میں سے کوئی بھی نتیجہ خیز بات نہیں کر سکا۔ پنجابی ادب کے مورخین نے انھیں شاہ چراغ چوہالوی کہہ کر صاحب سیف الملوک میاں محمد بخش کا درج ذیل شعر ان کے اعتراف میں ڈال دیا ہے:

شاہ چراغ ہویا اک سید دیوا دین ولی دا
دھنی ملک مکان اونہا دا وچ چوہان سیدیندا

اسی شعر کے قیاس پر انور بیگ اعوان (دھنی ادب و ثقافت) عبدالغفور قریشی (پنجابی ادب دی کہانی) اور ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری نے ان کا پنجابی ستوارہ اور امام حسین دی وار دریافت کیے لیکن میرے نزدیک ان میں سے اکثر باتیں قیاس آرائیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں کیونکہ ان کا انحصار کسی مستند ماخذ پر نہیں۔

چراغ قادری کے سوانح کی کھوج لگانے میں سب سے سنجیدہ اور اچھے نکات پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری نے اٹھائے ہیں لیکن ان کی تحریریں بھی الجھاؤ کا شکار ہیں۔ مثال کے طور پر ''امام حسین دی وار'' کے تعارف میں وہ کسی دلیل یا مستند ذریعے سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ شاہ چراغ چوہالوی ہی شاہ چراغ قادری مصنف تذکرہ حضرت شاہ دولاؒ ہیں اور ستوارے کی

اندرونی شہادتیں تو ایک ایسے شاہ چراغ کی نشاندہی کر رہی ہیں جو حضرت عبدالرحمٰن عرف پاک رحمٰن بھڑی والوں کی وساطت سے حضرت نوشہ گنج بخش قادری بانی سلسلہ نوشاہیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ستوارے سے دو مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت غوث الاعظمؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ آیے وار:

ایہہ چڑھدے ایت ڈٹھی ساعت چڑھدے شوم کولے نیں
جانی دشمن نال ''نوشہ'' دے بولن بول اولے نیں
وچ جناب تساڈی میراں کس دے کرم سولے نیں
''پاک'' جمال وکھال جیلانی وقت نسے سب زنگی دا
بہو میراں توں پہنچ شتابی وقت مرے سر تنگی دا

۲۔ جمعہ:

جمعہ روز بیثاق ہمن چڑھیا، وگی قلم ہمن منی میں
سفر لمبے نا سردی اتے خرچ نہ پایا کئی میں
شاہ چراغ ہمن نا کیں جاپے ''نوشہ'' اگے منی میں
غوث الاعظم ضامن میرا دوہوں جہانی تنگی دا
بہو میراں ہمن پہنچ شتابی، وقت مرے سر تنگی دا

پہلے بند میں حضرت نوشہ صاحب اور حضرت پاک صاحب دونوں کا اور دوسرے بند میں حضرت نوشہ گنج بخش کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔ ڈاکٹر احمد حسین قلعداری نے چراغ بن شاہ مراد قادری کو گیلانی سید لکھا ہے اور روحانی مسلک کے لحاظ سے انھیں حضرت امام امی علیہ الرحمۃ ساکنہ ڈھوک نوال کے فیض یافتہ قرار دیا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد موضع سوق احمد تحصیل و ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام سید شاہ مراد اور دادا کا نام سید شاہ اسماعیل تھا۔ جن کے مزارات ان کے آبائی قبرستان موضع سوق احمد میں موجود ہیں۔ یہ قصبہ اب چھوٹے کاف سے صرف سوک کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر قلعداری کا خیال ہے کہ اہل سوق کی بدعہدی کے سبب چراغ قادری ترک وطن کر کے موضع کنڈ خیل واقع علاقہ پوٹھوہار میں چلے آئے۔ اور بعد میں علاقہ دھنی کے موضع چوہان کو مستقل رہائش کے لیے اختیار کیا اور یہیں دفن ہوئے۔ آپ کی کثیر اولاد موجود ہے۔

ڈاکٹر قلعداری صاحب علم و فضل محقق اور مورخ ہیں لیکن چراغ قادری کے بارے میں انھوں نے اپنی معلومات کے جو مآخذ بیان کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی قدیم اور مستند نہیں البتہ جب تک کوئی مستند ذریعہ اور ماخذ سامنے نہیں آتا اس ناقص مواد پر اکتفا کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ ڈاکٹر قلعداری خود بھی اپنی معلومات سے مطمئن نہیں ہیں چنانچہ انھوں نے ''شاہ چراغ چوہالوی تے امام حسین دی وار'' والے مضمون کے آخر میں تذکرہ حضرت شاہ دولا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ چراغ قادری کب اور کیوں سوق سے ترک وطن کر کے چوہان گئے۔'' اسی کتاب کے ذکر میں ڈاکٹر قلعداری نے چراغ بن شاہ مراد کے استاد مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بارے میں نہایت عمدہ معلومات فراہم کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔ اصل عبارت پنجابی میں ہے یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

''حضرت شاہ چراغ قادری نے اس کتاب میں اپنے استاد مولوی عبدالرحمٰن جامی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن جامی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین تھے اور ان کی وجہ سے اس زمانے میں موضع سوق علم و ادب کا بہت بڑا مرکز مانا جاتا تھا۔ مولوی صاحب کے فتوے اورنگ عالمگیر کے دربار تک جاتے

تھے۔مولوی عبدالرحمن جامی کے بیٹے مولوی عبدالنبی نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے نجات المسلمین، درالفرائض اور جامع الخیرات کے قلمی نسخے اب بھی موجود ہیں، مولوی عبدالنبی کے بعد ان کی مسند ان کے بیٹے مولوی محمد صالح نے سنبھالی اور ان کے بعد قاضی محمد سعید شاہی صاحب فتوی ہوئے اور شاہی فرامین اور دستاویزات پر اپنی کی مہر لگتی تھی۔ان کے بعد سکھوں کے زمانے میں ان کی اولاد میں سے حافظ اللہ یار نے عزت و وقار حاصل کیا۔حافظ صاحب موصوف کا روضہ موضع سوق احمد میں موجود ہے۔"

چراغ بن شاہ مراد قادری کی اولاد کے بارے میں الور بیگ اعوان کی یہ اطلاع کہ شاہ میر غلام کے نام سے ان کا ایک بیٹا بھی شاعر تھا اور اس کی ایک کافی بھی موجود ہے تحقیقی اعتبار سے استناد کی محتاج ہے۔ڈاکٹر قلعدار اری نے جس مدح غوث الاعظم پر میر غلام بن چراغ قادری کی تصنیف ہونے کا گمان کیا ہے عین الحق فرید کوٹی کے بقول وہ مدح مفتی غلام سرور لاہوری کی تصنیف ہے۔اسی طرح الور بیگ اعوان کا یہ بیان کہ چراغ بن شاہ مراد قادری ۱۸۷۵ء میں فوت ہوئے نہ صرف چراغ بن شاہ مراد کی پنجابی زبان کا شاعر ہونے کی حیثیت کو مشکوک کرتا ہے بلکہ زمانی اعتبار سے بھی ناقابل یقین ہے۔

بہر حال یہ تھا اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے چراغ بن شاہ مراد قادری کا سوانحی خاکہ۔ان مبہم نقوش میں رنگ بھرنے کے لیے آیئے ایک بار پھر زیر نظر کتاب یعنی تذکرہ حضرت شاہ دولہ کے متن سے رجوع کرتے ہیں:

چراغ بن شاہ مراد قادری نے حضرت شاہ دولاؒ کی خدمت میں اپنی اولین حاضری کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کی پوری عبارت قابل توجہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"این خاکپای درویشان خداکیش وگرد راہ سینہ صافان حق اندیش درعمر طفولیت چوں روز آویسہ از درس آزادی می یافت، مادر مہربان چندان وبزری پختہ حوالہ ی کرد و اجازت ی داد کہ بخدمت شیخ رفتہ بگذران و دعای دربارہ خود درخواہ۔ ہمچناں ی کردم و شیخ از راہ لطف و کرم بر یتیمی من بسیار توجہ و مہربانی ی فرمودند و ہر چہ نذری آمد بحسب قسمت ی بخشیدند"

گمان ہوتا ہے کہ اس واقعے کے وقت چراغ بن شاہ مراد کی عمر دس بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ اس عمر سے پہلے اپنے والد کی سرپرستی اور سایہ عاطفت سے محروم ہو چکے ہوں گے اور یقیناً ان حالات میں انھیں پدرانہ شفقت کی کمی محسوس ہوتی ہو گی۔جس کے بعد حضرت شاہ دولا ان کی یتیمی پر توجہ فرماتے تھے۔اس توجہ اور لطف خاص کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ چراغ قادری کے والد حضرت شاہ مراد قادری اور حضرت شاہ دولا کے درمیان دوستی اور مودت کا ایک سلسلہ عرصہ دراز سے قائم تھا۔ اس بات کو مصنف تذکرہ کی بیان کی ہوئی ایک حکایت سے بھی تقویت ملتی ہے جس کی راوی خود ان کی والدہ یعنی حضرت شاہ مراد قادری کی بیوہ ہیں:

"نقل است مشفقہ مکرمہ مادر مہربان من ی گفت کہ چوں پدر تو بعروی مراد رکابہ خود آورد شیخ دولا در وجہ قبول بسیار چیز باعنایت فرمودند۔ از آن جملہ یک روپیہ بخشیدند و فرمودند کہ این نقد را در دست امام زادہ سیدہ من بدہید و بگوئید کہ فال دولت است ہمیشہ در دست خود نگاہ داشتہ باشد گاہی از رزق و مال کمی و تنگی نخواہد دید۔ پدرت آن نقد را انگشتانہ از زرگر راست کنانیدہ در انگشت دست من انداخت از ان دیبا زبعنایت حال مدت و پنجاہ سالہ گذشتہ باشد کہ آن انگشتانہ در دست دارم۔ ببرکت تبرک شیخ این ہمہ عمر بالدار و صاحب اعتبار ماندم و در قحط و ارزانی عزلت رزق ندیدم"

اس اقتباس سے جن اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت شاہ دولا حضرت شاہ مراد قادری سے سن و سال میں بڑے ہوں گے۔کیونکہ خیر و برکت کی دعا بزرگ ہی چھوٹے کو دیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ تذکرہ حضرت شاہ دولا

کی تالیف کے وقت مصنف کی والدہ بھی وفات پا چکی تھیں۔ تیسرے یہ کہ مصنف کی والدہ کی وفات حضرت شاہ دولا کی رحلت سے پہلے واقع ہوئی تھی اور چوتھے یہ کہ مصنف کی والدہ اپنی شادی کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں جس سے اس حقیقت تک پہنچنا مشکل نہیں کہ تذکرہ حضرت شاہ دولہ کی تصنیف کے وقت چراغ بن شاہ مراد قادری کی عمر چالیس سال سے یقیناً تجاوز کر چکی تھی اور اگر یہ قیاس درست ہے تو انھوں نے حضرت شاہ دولا کی بچپن سے جوانی تک خاصا طویل عرصہ زیارت کی ہوگی اور انھیں نزدیک سے دیکھا ہوگا۔ اس امر کا ثبوت کتاب کے متعدد مقامات سے ملتا ہے جن میں وہ خود راوی اور عینی شاہد کے طور پر قاری سے ہمکلام ہوئے ہیں۔

باعث تصنیف و زمانہ تالیف:

تذکرہ حضرت شاہ دولا کی اندرونی شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کی تصنیف کا کام حضرت شاہ دولا کے وصال یعنی ۱۵ ربیع الاول ۱۰۸۶ھ کے تھوڑے عرصے بعد ہی شروع کر دیا تھا کیونکہ اکثر روایت کنندگان حضرت شاہ دولا سے ملاقات کر چکے تھے اور ان کے احوال و مقامات سے واقف تھے۔ کتاب کے سبب تالیف میں مصنف نے اپنے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> از ابتدای آفرینش عالم تا انتہای قیامت ہیچ زمان و مکان خالی از مردان خدا و راہ روان شیدا نیست ...... و ہمیشہ وجود شریف این طایفۂ عالیہ مستعد جلوہ گری است۔ بلکہ قوام زمین و زمان و انتظام عالم و عالمیان بقوام ذات پاک ایشان است والبتہ ہرگاہ این طبقہ یکمرتبہ روی ظہور در پردہ کتمان خواہند نشست استحکام پیوند عالم خواہد شکست...... و اکثر قوم نافہم کوریاطن بقیاس بی اساس خود باین رفتہ اند کہ در عہد ماضی این زمرہ عالیہ یکمرتبہ گزشتہ رفتہ در این زمان کسی از آنہا موجود نیست کہ ارادت بہ او توان آورد و سعادت ارشاد توان برداشت۔ این دلیل ایشان محض بنا دانی و نا یافت مقصود خبری دہد۔ شاید در این وہم افتادہ اند کہ ہرچہ نصیب آنہا شدہ بود نقد کہ در تمام عالم نباشد...... بنا بر آن از واردات غیبی و طہارت لاریبی در خاطرم چنان ریختند کہ زنگی از حال و احوال و افعال و اقوال عارفان زمان کہ بچشم خود دیدہ و بہ گوش خود شنیدہ شد در قید قلم آرم در پس ماندگان مایہ کار بگذارم۔ اما چون بہ فکر تمام در خود نگریستم قابوی شرح احوال ہر کدام مشائخ از قید خویش بیرون یافتم و فرصت ہم اندک بہ نظر آمد۔ لاچار دستی از نمونہ خرواری و قضاعف یک یک شمار ہواری بعضی از احوال مقرب مولا شیخ دولا قدس سرہ العزیز چیدم و بہ طریق تبرک در ترقیم آن قلم را شکار بستم۔ اگرچہ احوالات و مقامات آنحضرت بہ حدی بود کہ صورت احوال یک ذرہ از عمر گرامی ایشان توان نوشت، اما قطرہ ای از دریا و شمہ ای از بوی صبا و جرعہ ای از خم صہبا اختیار کردہ ام تا بہ وسیلۂ آن از دامن اہل اللہ محروم نمانم۔“

اس طویل بیان میں مصنف نے اپنے کام کے مقاصد پر جو بنیادی نکات اٹھاتے ہیں ان پر توجہ ضروری ہے۔

۱۔ مصنف کا عقیدہ ہے کہ یہ نظام عالم بزرگان دین کی روحانی اور اخلاقی اقدار اور تعلیمات پر استوار ہے۔

۲۔ وہ ایسے صاحبان حال و قال عارفان زمانہ کے حالات زندگی لکھنا چاہتے ہیں جن کے احوال و افعال کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کے روحانی مراتب کے بارے میں اپنے کانوں سے سنا ہے۔

۳۔ ان کے پاس زندگی کی زیادہ مہلت نہیں لہٰذا انھوں نے اس مقصد کے لیے حضرت شاہ دولا علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی کو منتخب کیا ہے۔ اس نکتے کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ مصنف زیر نظر کتاب کے زمانۂ تصنیف کے وقت بزرگی اور پختہ سالی کی حدوں کو چھو رہے تھے۔

مصنف نے کتاب کے زمانہ تصنیف کا کہیں تعین نہیں کیا۔ بعض ایسے اشارات موجود ہیں جن سے سال تصنیف کا تعین ممکن ہے لیکن افسوس کے وہ اشارے بھی تاریخی اعتبار سے حل طلب اور غیر واضح ہیں مثال کے طور پر مصنف نے لکھا ہے کہ نالہ ڈیک یعنی ''دیوگہ'' کے پل کو تعمیر ہوئے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ جبکہ کسی تاریخی حوالے سے معلوم نہیں کہ نالہ ڈیک کا وہ پل جو حضرت شاہ دولا نے تعمیر کروایا تھا کس سال پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ البتہ کتاب میں ایک مقام ایسا ہے جہاں سے اس کتاب کے سال تصنیف کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ دولا کے ابتدائی حالات میں لکھا ہے کہ حضرت شیدا سرمست کے وصال کے بعد آپ پھگوائی پورہ کی سکونت ترک کر کے تحتی سیالکوٹ میں آ گئے تھے اور وہاں آپ نے ایک وسیع تالاب اور خوش آب و ہوا باغ تعمیر کیا جو اَب مولوی عبداللہ کے ہاتھوں ویران ہو چکا ہے۔ اصل عبارت درج ذیل ہے۔

''القصہ مدت دہ سال شیخ در قصبہ سیالکوٹ تشریف داشتند و تعمیر و رجوع عام و خواص ہمیشہ روبہ افزونی بود و
یک تالاب عظیم و باغ خوش نسیم کہ بالفعل مولوی عبداللہ آن ہر دو جا را ویران ساختہ محلہ خود آباد کردہ
است، مرتب فرمودند''

یہ مولوی محمد عبداللہ سیالکوٹی جنھیں لاہوری بھی لکھا جاتا ہے اگر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے فرزند ہیں جو ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء میں فوت ہوئے اور کتاب میں ذکر کے دوران وہ زندہ تھے تو تذکرہ حضرت شاہ دولا کا حضرت شاہ دولا کی وفات یعنی ۱۰۷۶ھ اور مولوی عبداللہ سیالکوٹی کی وفات یعنی ۱۰۹۴ھ کے درمیان لکھا جانا قرین صحت ہے۔

تذکرہ حضرت شاہ دولا کے مآخذ و منابع:

چراغ بن شاہ مراد قادری نے اپنی تصنیف کو چار مختلف مآخذ پر استوار کیا ہے۔

الف۔ سینہ بسینہ حاصل ہونے والی معلومات:

کتاب کے پہلے حصے میں حضرت شاہ دولا کے خاندان، حسب و نسب اور پیر طریقت میں حضرت شاہ دولا کے خاندان اور نسب اور پیر طریقت حضرت شیدا سرمست کے بارے میں جملہ معلومات اسی زمرے میں آتی ہیں، مصنف نے اس سلسلے میں حضرت شاہ دولا کے حاضر باشوں اور قربت رکھنے والے اشخاص سے استفادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مورخانہ چھان بین اور کسی قسم کی زمانی تطبیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن ان شنیدہ روایات کو بھی مصنف نے جس منطقی اور ادبی حسن کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ان کے کمال فن کی دلیل ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اعلیٰ مثال حضرت شیدا سرمست کی شخصیت کا خاکہ ہے جس میں ان کی شخصیت اس قدر پُرعظمت اور الہیاتی دکھائی دیتی ہے کہ اس کے سامنے تاریخی سچائیاں بے حقیقت نظر آتی ہیں۔ ویسے بھی روحانی ضابطہ حیات کے مکاشفات اور استعاروں سے رونما ہونے والے حالات و واقعات کو تاریخی مطابقت دینا ضروری نہیں ہوتا۔ تاریخ کی دی ہوئی معلومات بھی شکوک و شبہات سے پاک نہیں ہوتیں۔ عینی شاہدوں کے مقابلے میں تاریخ میں ضبط شدہ معلومات دوسرے درجے کا ماخذ ہوتی ہیں۔ تاریخ نویسی میں مصلحتوں، فنی پیچیدگیوں، شخصی تعصبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مواد تک رسائی اور حقائق کی تہہ تک پہنچ سکنے کی استعداد بھی کسی مورخ کے ضعف یا استناد کا تعین کرتی ہے۔ معلوم نہیں عزت خاں ولد سلطان شادمان خاں گکھڑ کی روایت چراغ بن شاہ مراد تک کس وسیلے سے پہنچی۔ براہ راست کی بجائے ممکن ہے بالواسطہ آئی ہو۔ تاہم سوائے ٹمٹمی والی ایک حکایت کے تمام روایات اس قدر فطری اور صداقت کے رنگ میں ڈوبی ہوتی ہیں کہ حضرت شاہ دولہ کی زندگی کی ان جزئیات پر ذرہ بھر بھی شبہ کرنے کو دل نہیں چاہتا اور تاریخ کے تانے بانے جتنے بھی اس سے متصادم ہوں عقل گواہی دیتی ہے حضرت شاہ دولا کی ابتدائی زندگی کی داستان کچھ اسی طرح کی ہوگی اور حضرت شیدا سرمست کی اسی شخصیت نے حضرت شاہ دولہ کی روحانی تربیت کر کے انھیں اعلیٰ مدارج تک پہنچایا ہوگا۔ انسان شناسی کے جدید مفکرین کا

بھی یہی کہنا ہے کہ انسانی شخصیت کی ساخت اور فکر و احساس کی تعمیر کے لیے تاریخی پس منظر اور تاریخی حقائق کی چھان بین ضروری اور اہم نہیں۔ سماجی پس منظر معاشرتی پیش منظر اور رسوم و رواج کا تارو پود اس سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اشیا کو نسلی جوہر میں نہیں باہمی تعلقات میں دیکھنا چاہیے۔ یعنی انسانوں کے لیے نسلی شجروں سے اہم سماجی روابط اور رشتے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے اہل تصوف اور صاحبان طریقت سے زیادہ یہ نظریہ کس پر صادق آئے گا۔

چراغ بن شاہ مراد نے حضرت شاہ دولہ کے ابتدائی حالات کچھ اس طرح بیان کیے ہیں۔ فارسی متن کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''عزت خاں ولد سلطان شادمان خان گکھڑ کے استفسار پر حضرت شاہ دولا نے اپنے ابتدائی حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے والد عبدالرحیم لودھی افغان تھے جو سلطان سکندر لودھی کے ہم قوم اور ہم قبیلہ تھے۔ حضرت کی والدہ نعمت خاتون غازی خاں بن سلطان سارنگ کی نواسی تھیں۔ افغانوں کی یلغار میں ان کی نانی سلطان سارنگ کی شہادت کے بعد گرفتار ہوئیں۔ اس وقت ان کی والدہ ماں کے دودھ پر تھیں۔ حضرت شاہ دولا اکبر بادشاہ کے پچیسویں سال جلوس میں ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کے والد سپاہی پیشہ تھے جو حضرت شاہ دولہ کی ولادت کے ایک سال بعد ہی فوت ہو گئے۔ حضرت کی والدہ بیوگی کی حالت میں غربت اور عسرت کی زندگی گزارتے ہوئے پوٹھوہار کے علاقے میں آ گئیں۔ پانچ سال تک وانگی پھروالا کے گاؤں سہالہ میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ پالا۔ پھر رہتاس کیا یک موضع کالا میں آ گئیں اور چار سال بعد اسی جگہ فوت ہو گئیں۔''

''والدہ کی وفات پر حضرت شاہ دولہ کی عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ یتیمی اور بیکسی کی حالت میں دربدر بھٹکتے اور گدائی کرتے قصبہ تخی سیالکوٹ پہنچے۔ ایک بے اولاد شخص مہتا کھیما نے انھیں اپنی فرزندی میں لے لیا۔ بعدازیں اس کے علاقے کے قانون گویوں نے انھیں لے کر اپنے مال و اسباب کا امین مقرر کیا۔ پھر چوری اور خیانت کا الزام لگا کر درپے آزار ہوئے۔ حضرت کی بے گناہی ثابت ہوئی۔ نوکری سے آزاد کیے گئے لیکن اس واقعے نے دنیا سے ان کا تعلق منقطع کر دیا۔ اب آپ تلاش حق اور مرشد برحق کی جستجو میں کمربستہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں موضع بھگوائی پورہ پہنچا کر مجذوب وقت حضرت شیدا سرمست کے صوبے میں باریاب کیا۔ حضرت سرمست کے خادم منگو کا دل ان پر مہربان ہوا اور آپ اپنے مرشد اور برادر طریقت کے لیے خدمت گدائی پر مامور ہوئے۔ حضرت شیدا سرمست نے انھیں کاسہ گدائی ترک کر کے محنت مزدوری کے ذریعے رزق حلال کی طرف مائل کیا۔ انھیں محنت کشی اور دست و بازو پر انحصار میں پوشیدہ رموز و اسرار الٰہیہ سے آگاہ کیا اور یہ آگاہی ان کے غرور و نخوت اور نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرنے کا ذریعہ قرار پائی۔''

''حضرت شاہ دولہ بارہ سال تک حضرت شیدا سرمست کی خدمت میں رہے۔ ان کی مرض الموت کے دوران ان پر جان و دل نچھاور کیے۔ خدا نے ان کی فریاد سنی اور حضرت شیدا سرمست نے وصال کے وقت حضرت شاہ دولا کو خرقۂ خلافت اور رشد و ہدایت کا اذن عطا فرمایا جس سے ظاہر و باطن کے تمام اسرار حضرت پر کھل گئے اور حضرت سرمست کے الفاظ کہ: ''بیا اے دولا، جسے دے تسے مولا'' نے چار دانگ عالم کو آپ کے زیر فرمان کر دیا اور ''دم ہو دولا دریائی'' کے نعرے ہر طرف بلند ہونے لگے۔''

حضرت شیدا سرمست سلسلہ مجذوبیہ سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا شجرہ طریقت کئی واسطوں سے قاتل کفار حضرت امام علی الحق سیالکوٹی سے ملتا تھا۔ وہ اس طرح کہ:

''شیخ دولا قدس سرہٗ العزیز خرقۂ درویشی از دست شاہ شیدا سرمست پوشیدہ اند و ایشان از شاہ موتگاہ و ایشان از شاہ تن برہنہ و ایشاں از حافظ بیابانی و ایشاں از سید طاہر و ایشان از امام ناصر''

ان سے آگے ہر چند کہ صاحب تذکرہ شاہ دولہ نے نام نہیں دیے تاہم لکھا ہے کہ:

"پیشتر ازین سند خلافت کسی بمن نرسیده است اما از زبان شیخ دولا سند دارم کہ ای فرمودند کہ سلسلہ ملا امام قاضی الکفارئی الاسلام امام علی الحق رحمۃ اللہ علیہ می پیوندد"

حضرت سرمست کی وفات کے بعد حضرت شاہ دولا کو حضرت امام علی الحق کی جانب سے اشارہ ہوا کہ آپ خلق خدا کی رشد و ہدایت کے لیے بھگوائی پورہ اور سیالکوٹ کو ترک کر کے گجرات چلے جائیں۔ چنانچہ آپ اس حکم کی تعمیل میں گجرات آ گئے اور شہر کے درمیان ایک نالے کے نشیبی حصے کو مٹی سے پُر کر کے اس پر اپنے حجرے اور خانقاہ کی بنیاد رکھی اور خلق خدا کی ظاہری اور باطنی تربیت میں مصروف ہو گئے۔

یہاں تک کتاب کے سینہ بسینہ روایات پر مبنی ماخذ ختم ہوئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم کتاب کے مصادر کی دوسری نوع کی طرف رجوع کریں، چراغ بن شاہ مراد نے حضرت شیدا سرمستؒ کی شخصیت کا جو مرقع پیش کیا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیجیے۔ اصل عبارتیں فارسی میں دیکھی جا سکتی ہیں، یہاں ان کے اردو تراجم پیش کیے جاتے ہیں:

''حضرت شاہ (سید سرمست) کی کیفیت یہ تھی کہ بحر توحید میں دور تک غوطہ زنی کے باعث جذب و تفرید تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات سے سرفراز تھے اور اگر کوئی خیر او رشر کا کلمہ زبان مبارک سے سرزد ہو جاتا تو اس کا اثر فی الفور ظاہر ہو جاتا تھا۔''

''شیخ (دولا) نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے ایک دن شاہ (شیدا سرمست) نے غصے کی حالت میں مجھ سے فرمایا کہ اے غلام تو ہر روز ایسے نوالے میرے لیے لاتا ہے جو لوگوں کے منہ کے لعاب اور دانتوں سے آلودہ ہوتے ہیں جنھیں کھانے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تو اپنے دس ناخنوں کی محنت سے ایسی پاکیزہ غذا میرے لیے لائے جسے میں رغبت سے کھا سکوں؟ اس ارشاد کی تعمیل میں میں نے پھاوڑا کاندھے پر رکھا اور سیالکوٹ کی طرف روانہ ہو گیا ..... اس دن میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ستر ہاتھ لمبی اور ایک ہاتھ چوڑی ایک قدیم عمارت کی کھدائی کی اور اس میں سے اینٹیں نکالیں۔ منتظمین نے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے یہ کام کسی آدم زاد کا معلوم نہیں ہوتا ..... میں نے بازار جا کر دو ٹکے کی کھچڑی (یعنی چاول اور دال)، تین ٹکے کا گھی اور ایک ٹکے کی لکڑیاں خریدیں اور غذا تیار کر کے حضرت شاہ (سرمست) کی خدمت میں حاضر کی۔ شاہ نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور صحبت آمیز گالیوں کے ساتھ کہا کہ اے غلام تو سمجھتا ہے کہ آج تو نے بہت محنت اور مستعدی سے کام کیا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ اس تمام دن کی محنت میں شیدا تیرے ساتھ شریک تھا۔ آ اور دیکھ کہ پھاوڑا چلانے کے سبب میرے ہاتھ چھالوں سے کس قدر بھر گئے ہیں اور فی الحقیقت جب میں نے دیکھا تو شاہ (شیدا) کے دونوں ہاتھوں پر چھالے اس طرح نمودار ہو رہے تھے جیسے پھولوں کی پتیوں پر شبنم کے قطرے۔ کھچڑی کے چند لقمے کھانے کے بعد فرمایا'' آج مجھے کھانے کا مزا آیا ہے۔ دس ناخن کی محنت چیز ہی اور ہے۔''

''(حضرت شاہ دولا نے فرمایا) میں حضرت شاہؒ (شیدا سرمست) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بے حد لطف و عنایات سے فرمایا اے غلام تیرے وجود میں خودی اور نفسانیت کی اتنی ہی مقدار تھی جو تجھ سے جدا ہو گئی ہے اور اب غیر اللہ کی کدورت کی جگہ ذات باری تعالیٰ کی معرفت نے لے لی ہے۔ اطمینان رکھ کہ اب تو ہماری عنایات کے قابل اور معرفت الٰہی کے لائق ہو چکا ہے۔''

''(حضرت شاہ دولاؒ نے فرمایا) جب میں شاہؒ (شیدا سرمست) کے نزدیک ہوا شاہ نے وصیت فرمائی کہ اس گدڑی کو سنبھال کر رکھ یہ تیری زندگی کی پردہ پوش ہو گی اور میرے بعد دھونی کی آگ کو ہمیشہ جلتا رکھ کہ تیری درویشی کا فروغ ہمیشہ اس سے قائم رہے گا۔ آ اور اپنا منہ میرے منہ پر رکھ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہا، اپنی سانس میرے منہ میں ڈالی، ساکت ہو گئے اور اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کر دی۔''

آیئے اب ہم چراغ بن شاہ مراد کے بیان کردہ دوسرے مآخذ اور منابع پر توجہ کرتے ہیں۔

ب۔ آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے واقعات:

اس نوع کی معلومات میں مصنف کتاب چراغ بن شاہ مراد خود راوی اور شاہد کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر واقعات حضرت شاہ دولاؒ کی گجرات میں تشریف آوری کے بعد کے ہیں:

۱۔ ''حضرت شاہ دولاؒ کی زبانی یہ بات میرے پاس سند کے طور پر ہے کہ فرمایا ہمارا سلسلہ (طریقت) قاتل الکفار محی الاسلام حضرت امام علی الحق علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے۔''

۲۔ ''درویشوں کا یہ خاک پا (یعنی مصنف) لڑکپن کی عمر میں جب جمعے کے روز مدرسے سے فارغ ہوتا تھا میری مہربان والدہ مجھے اجازت دیتی تھیں کہ حضرت شیخ (دولا) کی خدمت میں جاؤ اور اپنے لیے ان سے دعا کی درخواست کرو۔ میں ایسا ہی کیا کرتا تھا ..... جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا جو جلوہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کی محفل میں دیکھا یہ ہے کہ شیخ کی خدمت میں ہر وقت عامۃ الناس کا ہجوم رہتا تھا، اور لوگ ان کے گرد دیوار کی طرح چنے رہتے تھے۔''

۳۔ جو کچھ اس صاحبانِ دل کے آستانوں کے خاکروب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کچھ بھی کم زیادہ کیے بغیر سچائی پسند منصف مزاجوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ فی الحقیقت سید محمد فاضل میدان شریعت کے مرد اور اصل وفرع پر حاوی تھے۔ وہ صاحب علم وفضل، اہل توکل، صاحب تقویٰ وعمل، نجیب الطرفین سید، عالم باعمل، صاحب استغناء، راستی پسند اور راست عمل تھے۔''

ج۔ عینی شاہدوں اور حضرت شاہ دولاؒ کے ملاقاتیوں سے براہ راست استفادہ:

۱۔ ''(بابا) سندو کہتے ہیں کہ جب میں حاضر ہوا شیخ (دولا) ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ میرے جانے پر غیب سے ایک شمع روشن ہوگئی۔ دیکھتا کیا ہوں کے کمرے کے ایک کونے میں سونے کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔''

۲۔ ''بچھی کہتی ہے شیخ (دولا) کے الفاظ کے اثر سے میرے چرخہ کاتنے میں اتنی برکت ہوتی کہ اگر ایک روئی کی پونی ہاتھ میں لے کر کاتتی تھی تو سات دھاگے کی چھلیاں تکلے سے اترتی تھیں۔''

''چوہدری عیسیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد چوہدری بیگ نے سخت بخار کی حالت میں مجھ سے کہا کہ شیخ (دولا) کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے لیے دعائے صحت کی التجا کرو۔''

۳۔ قدوۃ الابرار شیخ برخوردار کی زبانی ایک روایت مجھے یاد ہے کہ فرماتے تھے .....''

۴۔ میری شفیق اور مہربان والدہ فرماتی تھیں کہ .....''

۵۔ ''عبدالحکیم درود گر نے فقیر (چراغ بن شاہ مراد) نے بیان کیا کہ ایک روز میں حضرت شیخ (دولا) کے کنویں کی تعمیر میں مصروف تھا کہ .....''

۶۔ عبدالعزیز بن فتح محمد مرحوم بیان کرتے ہیں کہ .....''

د۔ دیگر ذرائع سے حاصل شدہ معمولات:

۷۔ ''کہتے ہیں کہ علم قدیم وجدید کے رازدان مولوی عبدالحکیم نور اللہ مرقدہٗ اکثر شیخ (دولا) کی زیارت کے لیے سیالکوٹ سے گجرات آئے تھے۔''

۸۔ ''کہتے ہیں جب مولوی (عبدالحکیم) شیخ (دولا) کی خدمت میں آتے تو .....''

۹۔ ''کہتے ہیں جب سید جواد علاقہ گجرات کی فوجداری پر مامور ہوئے۔''

۱۰۔ ''روایت ہے کہ ایک دن ایک آزاد منش آدمی نے آ کر شیخ (دولا) سے تازہ انگور اور دو اشرفی نقد کی فرمائش کی۔''

۱۱۔ ''کہتے ہیں کہ جب فتح چند نے کچھ مہینے راجہ گرب سنگھ کی سرکار میں بطور دیوان ماموریت حاصل کی۔''

۱۲۔ ''کہتے ہیں اٹک میں میاں لال نام کا ایک نوجوان تھا۔''

۱۳۔ ''روایت ہے کہ جب میر حسینی نام فوجدار گجرات نے بعض ناحق شناسوں کے اکسانے پر .....''

ان بنیادی منابع کی مدد سے چراغ بن شاہ مراد قادری نے اپنے زیر نظر تذکرے کا تار و پود تیار کیا ہے لیکن مصنف نے کوشش کی ہے کہ صرف ان روایات و واقعات کو قبول کیا جائے جو فطری صداقت اور قابل قبول سچائیوں پر مبنی ہوں۔ ان کے راویوں میں خود حضرت شاہ دولا کی ذات بابرکات کے علاوہ مصنف کی والدہ ماجدہ اپنے وقت کے شہرہ آفاق عالم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، زبدۃ الابرار شیخ برخوردار اور حضرت شاہ دولا کے متعدد اہل مجلس شامل ہیں۔ اس سے ان کی تصنیف کے ثقہ اور مستند ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

چراغ بن شاہ مراد قادری سوانح نگاری میں اپنا ایک منفرد اسلوب رکھتے تھے۔ ان کے دور میں بزرگان دین کے متعدد تذکرے لکھے گئے لیکن چراغ بن شاہ مراد کا تذکرہ فنی اعتبار سے ان سب سے الگ لب و لہجہ رکھتا ہے۔ اس دور میں کسی ولی اللہ کی سوانح لکھتے ہوئے عموماً ان کی روحانی، مکاشفاتی اور مافوق الفطرت حیثیت کو مرکز توجہ قرار دیا جاتا تھا اور یوں اس دور کے تذکروں میں منطقی اور فکری رویوں پر کشف و کرامات کی فضا غالب ہے۔ اس دور کے درویش اور اہل اللہ بعض اوقات اپنے معاشرے کی عمومی اور اجتماعی زندگی سے ذرا ہٹے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ سوانح نگاروں کے اسی اسلوب نے غالباً صاحبان ولایت کے بارے میں یہ تاثر پیدا کیا کہ وہ صومعہ نشین ہوتے ہیں اور علائق دنیاوی سے ان کا تعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ رہبانیت کا یہ تصور نہ تو اسلامی تصوف میں کسی جگہ بھی نظر آتا ہے اور نہ ہی اصحاب روحانیت کے اقوال و افعال میں اس کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے۔ مسلمان صوفیا اور بالخصوص برصغیر کے مسلمان صوفیا اور اہل طریقت نے اپنی زندگیوں میں جس اصول حیات کو اپنایا اس میں ''بے ہمہ'' نہیں ''با ہمہ'' کا فلسفہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ انھوں نے عام انسانوں میں رہ کر، عام انسانوں کی زندگی کو جہد و عمل کے ساتھ الوہی منازل اور مقامات سے ہمکنار کیا۔ حضرت شاہ دولا کی ذات انھی مقربان خدا میں سے ایک تھی جن کی سوانحی تفصیلات میں چراغ بن شاہ مراد نے ایک مافوق الفطرت نہیں بلکہ ایک مثالی کردار کے خدوخال کو اجاگر کیا ہے۔ ایسی صورت حال میں آیئے چراغ بن شاہ مراد کے بنائے ہوئے خاکے میں حضرت شاہ دولہ کی شخصیت کو دیکھتے ہیں۔ مصنف کی فارسی عبارت کا قارئین کی سہولت کے لیے اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

☆ لباس

''آپ کرپاس کی چادر لنگی کے طور پر، ایک سیدھا چولا اور خرقہ پہنتے تھے۔ سر پر کبھی پگڑی کبھی ٹوپی اور کبھی نمدے کی سرخ ٹوپی پر صافہ باندھتے تھے۔ پاؤں میں کشمیری جوتا اور کبھی چمڑے کا دیسی جوتا پہنا جاتا تھا۔ ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر مجلس فرماتے اور کبھی دری اور گھاس بھی نہ بچھاتے۔ قالین اور نمدے کے فرش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

☆ سادگی اور استغنا

''شیخ دولاؒ نے اپنی زبان سے کسی کو اپنے احترام یا اپنی تعظیم کے لیے ارشاد نہیں فرمایا۔ بلکہ اکثر اس سے منع کیا لیکن اس کے باوجود عوام الناس بے اختیار ان پر فدا ہوتے تھے۔ یہ انبوہ کبھی کم نہیں ہوتا تھا اور لوگ آداب اور نیاز مندی میں ایک دوسرے سے سبقت لینا چاہتے تھے۔''

''جو تحائف اور نذر و نیاز جمع ہوتی تھیں حاضرین میں بانٹ دی جاتی تھیں اور میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ شیخ (دولا) نے کسی نفیس چیز یا قیمتی سامان کو اپنے پاس رکھنے کی خواہش کی ہو۔ سبحان اللہ ترک و تجرید میں وہ مقام حاصل تھا کہ کبھی کسی چیز کی

طرف راغب نہیں ہوتے تھے اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے عمدہ کھانے، پرتکلف لباس یا خوبصورت قالین پر بیٹھنے کی خواہش کی ہو۔ کوئی شخص ان کے خوانِ کرم سے محروم نہیں جاتا تھا۔ غربا اور مساکین کی پرورش کے لیے تین مقامات پر لنگر جاری تھا اور تینوں جگہ دس دس من کے قریب کھانا تیار ہوتا تھا۔ ایک سیالکوٹ میں، دوسرے گجرات میں اور تیسرے مالہ ڈیک کے پل پر''۔

☆ تسخیرِ قلوب، تالیفِ قلوب، کشف القلوب

''شیخ (دولہؒ) کو تسخیرِ قلوب اور دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ ہر اعلیٰ و ادنیٰ یہی سمجھتا تھا کہ ان کی جو عنایت مجھ پر ہے کسی اور پر نہیں۔ خاکساری اور کسرِ نفسی میں اپنے آپ کو اس حد تک لے گئے تھے کہ ہر شخص کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔''

☆ حلیہ مبارک

''آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ گندمی، پیشانی کشادہ، ابرو گھنے، آنکھیں کالی جن میں سرخ ڈورے دکھائی دیتے تھے اور بائیں آنکھ کے نیچے ایک انگلی کے فاصلے پر رخسار مبارک پر کالا تل تھا۔ قد درمیانہ نہ لمبا نہ چھوٹا۔ جسم بھی درمیانہ نہ فربہ اور نہ لاغر۔ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ کی انگلی نہیں تھی۔ دونوں ہاتھ عام انسانوں کی نسبت بہت کھلے اور بڑے تھے۔ ریش مبارک بہت گھنی اور لمبی تھی۔ اکثر سر جھکا کر بیٹھتے تھے اور گفتگو کے دوران آواز اونچی اور پاٹ دار نکلتی تھی''۔

☆ مجذوبوں اور بے حال لوگوں سے محبت

''مجذوب اور بے سدھ لوگ جنھیں کھانے پینے کی ہوش نہیں ہوتی تھی آپ کے آس پاس بیٹھے رہتے تھے اور شیخ (دولہؒ) اس فرقے سے بے حد اخلاص رکھتے تھے۔ انھیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے تھے اور اگر کبھی کوئی گستاخی سے بھی پیش آتا تو درگزر اور برداشت فرماتے تھے''۔

☆ آدب و رسوم کی پابندی

''شاہجہان بادشاہ کی بیٹی نے جب پل کے لیے حضرت شاہ دولہؒ کی خدمت میں اخراجات کی رقم ارسال کی تو واپس کرتے ہوئے فرمایا:

''.....کہ بھائیو! ہم اہلِ ہند ہیں اور ہمارے رسوم و رواج میں باپ کا بیٹی سے مال وصول کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

☆ تعلیم و تدریس سے دلچسپی

''.....اور معمول تھا کہ جمعہ کے دن شہر کے تمام (طالب علم) بچے شیخ (دولہ) کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے اور فارسی غزلیات، گیت، مسدس اور اردو شاعری پڑھتے اور مختلف کھیل کھیلا کرتے تھے اور شیخ (دولہؒ) بے حد خوش ہو کر مٹھائی اور نقد انعامات انھیں مرحمت فرماتے تھے اور ان کے اساتذہ کے لیے بھی تحائف ارسال کیے جاتے تھے۔''

''.....اسی طرح اتوار کے دن تمام طالب علم لڑکیاں آتی تھیں اور انعامات سے سرفراز ہوتی تھیں۔''

☆ غذا کا مقصد

''(شیخ دولہؒ فرماتے تھے) کوئی شخص غذا اس لیے نہیں کھاتا کہ اس سے لذتِ طعام حاصل ہو بلکہ کھانا صرف ضرورت کے وقت اس لیے کھانا چاہیے کہ عباداتِ الٰہی کے لیے قوت ملے۔''

☆ استراحت کا مقصد

''(فرماتے تھے) اگر کوئی سوئے تو اس کا مقصد آسائش نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ کہ عباداتِ الٰہی کے لیے بدن میں طاقت کی تجدید ہو۔''

☆ ارشادات حضرت شاہ دولہ

ا۔ یادِ الٰہی کا لب لباب یہ ہے کہ دل کو حبِ دنیا سے الگ رکھا جائے۔

۲۔ اگر عاجزی اور انکساری کے مقام تک پہنچنا ہے تو مفلوک الحال لوگوں کے پاؤں کی خاک بن جاؤ۔

۳۔ زہد و اطاعت اپنے آپ سے رہائی حاصل کر لینے کا نام ہے اور عالم سرخوشی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دل نہ لگانے کو کہتے ہیں۔

۴۔ موت کو ہر وقت موجود سمجھو کہ حق تعالیٰ کی یاد کا خلاصہ موت کو یاد رکھنا ہے۔

۵۔ استغنا غنی مطلق یعنی ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے اور بندہ جس کی تخلیق صرف بندگی کے لیے ہے اگر استغنا کا مدعی ہوتا ہے تو یہ اس کی طرف سے غرور و نخوت، خود نمائی، تکبر اور خود پرستی کا اظہار ہے۔

۶۔ میری جان! آئین درویش، خاک نشینی اور خود بینی سے دوری ہے نہ کہ گوشہ نشین ہو کر دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور دوسروں میں عیب تلاش کرنا۔

ماٰخذ

۱۔ سید چراغ بن شاہ مراد: سوانح حضرت شاہ دولہ، قلمی، مملوکہ کتب خانہ گنج بخش اسلام آباد، کاتب: میاں محسن علی، تاریخ کتابت ۲۶ کاتک سمت ۱۸۹۴ مطابق ۸ نومبر ۱۸۳۷ء

۲۔ مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیا، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء

۳۔ محمد اعظم بیگ: تاریخ گجرات مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۷۰ء

۴۔ شریف کنجاہی، پروفیسر: حضرت شاہ دولہ گجراتی، مرکز معارف اولیا محکمہ اوقاف لاہور ۱۹۸۵ء

۵۔ قریشی احمد حسین قلعداری، ڈاکٹر: گجرات بعہد قدیم و جدید، مکتبہ ظفر، محلہ فیض آباد گجرات ۱۹۶۸ء

۶۔ قریشی احمد حسین قلعداری، ڈاکٹر: ضلع گجرات، پنجابی ادبی بورڈ لاہور ۱۹۹۵ء

۷۔ محمد منیر سلیچ، ڈاکٹر: خفتگان خاک گجرات، سلیچ پبلی کیشنز گجرات، ۱۹۹۶ء

۸۔ ایم زمان کھوکھر: گجرات تاریخ کے آئینے میں، یاسر اکیڈمی کچہری روڈ گجرات ۱۹۹۸ء

۹۔ ایضاً: گجرات تصاویر کے آئینے میں ایضاً ۱۹۹۵ء

۱۰۔ مفتی غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیا، نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء

۱۱۔ ولی چند، رائے، گنگو ہرا مہ، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۵ء

۱۲۔ احمد حسین قریشی قلعداری، ڈاکٹر: حضرت شاہ دولہ دریائی اور ان کا خاندان (قلمی) مملوکہ مصنف

۱۳۔ ایضاً تذکرہ اولیائے گجرات۔ جواہر اور یں اردو بازار لاہور ۱۹۷ء

۱۴۔ Pir Nasiruddaula: The Story of Hazrat Shah Daulah Ghazia Publishers Gujrat 2003